ڈاکٹر فرزانہ کوکب

استاد شعبہ اردو،بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

ملتان کے افسانوی ادب کی نمائندہ خواتین لکھاریوں کی تخلیقات میں تانیثی عناصر

Dr.Farzana koukab

Assisstant professor, Department of Urdu, Baha-ud-din Zakariya University, Multan.

Feminism in the creations of Important Fiction Writers Women of Multan

Region of Multan is not only important for its antiquity and geo placement but it also had been a center of literature, knowledge and creative literary activities. Lady writers discussed the problems of women of this area in context of social and cultural norms, to add further their writings reflect a historical sense and psychological insight particular article. Starts it discussion on feminism and ideology related to gener, then moves on to the development of feminist movements and gender related elements in Urdu fiction literature. It also sums up the contribution of significant women writers of Multan in local fiction critically high lightly the gender related issues.

”تانیثیت“ بلاشبہ ایک ایسا غیر معین کثیر المعنی تصور ہے جس میں مختلف النوع ایشوز اور رویے شامل ہیں۔ مرد غالب معاشرہ اور پدری نظام سے لیکر معاشی استحصال و جنسی جبر اور دہشت تک، غیر مساوی حقوق، سماجی ناہمواری، قانونی عدم تحفظ، متضاد (منافقانہ) اخلاقی اقدار اور فرسودہ خاندانی اور ازدواجی رشتوں سے لیکر کاروبار یا سیاسی اقتدار تک اور ان سب کے مرکز میں تشخص کا مسئلہ ایک ایسا محور ہے جس کے گرد یہ سارے مسائل مسلسل گردش میں ہیں۔ تانیثیت کا فکری تصور بیسویں صدی کے نصف بعد سے مغربی اور بعد ازاں مشرقی فکر اور تنقیدی نظریات و تصورات پر مسلسل دباؤ ڈالتا آرہا ہے اور ساتھ ہی

ساتھ اس احتجاجی صورتوں کو بھی واضح کرتا جاتا ہے کہ مرد اساس معاشرہ میں نہ صرف یہ کہ عورتوں کو زندگی میں مواقع کم فراہم کئے جاتے ہیں بلکہ زندگی کی ارتقائی پیش قدمیوں میں عورت کو یا تو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے یا اس کی کوششوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

تانیثیت یا حقوق نسواں کی آواز مغربی اور مشرقی معاشرہ کے ہر طبقہ سے بلند ہوئی۔ فیمینزم کو ایک آئیڈیالوجی اور سماجی تحریک مانا گیا اور اس حوالے سے یہ کہا گیا۔

"Feminism, like other ideological and sociol movements, has a contingent nature it takes different forms when atriculated with different social, economic and cultural systems and levels of development."(1)

انیس ہارون اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"خواتین پر ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھانا یا ان کے حقوق کی بات کرنا فیمینزم ہے۔"(۲)

حقوق نسواں کے تحفظ کے لیے نسائی تحریکوں کا آغاز اٹھارویں صدی کے نصف کے بعد ہوا، تحریک نسواں یا نسائی تحریک عورت کی حیثیت و اہمیت، مساوی حقوق، آزادی رائے کے حصول اور اسے مکمل انسان تسلیم کرنے کے نقطہ نظر کا احاطہ کرتی ہے۔ احترام آدمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے، وقعت ذات، معاشرتی انصاف ذہنی و فکری آزادی اور خود مختیار زندگی مرد و زن دونوں کا کے اولین حقوق میں شامل ہیں۔ لیکن گزشتہ ادوار اس تلخ حقیقت کو بھی آشکار کرتے ہیں کہ ہر عہد میں عورت پر استحصالی قوتیں مذہبی، ریاستی اور خاندانی سطح پر حاوی رہی ہیں اور اس کے صنفی اور ذاتی تشخص کو پامال کرتی رہی ہیں۔

تانیثیت کی تحریک فرانس میں بھرپور انداز میں ابھری اور اس کو مزید زور آور بنانے میں تمام طبقہ نسواں کے دانشور، ادب کے مصلحین، فلسفہ اور نفسیات کے تمام تانیثیتی مفکرین شامل ہیں جن میں ژولیا کرستیوا، ایلی سینرو، زاوئے گوئٹے اور ماریا آس تونی اور خود سیمون دی بوار خاص ہیں۔ اور سیمون نے ہی اس تحریک کو علمی ادبی اور تنقیدی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح ورجینا وولف اور امریکہ مصنفہ ڈور تھی پارکر نے اپنی تصانیف کے ذریعہ ایک مضبوط اور احتجاج سے پر آواز بلند کی۔

ان تمام تانیثی نظریہ سازوں کے نزدیک تانیثیت کا پہلا فرض مختلف نوع کے معاشرتی، سیاسی یا ادبی متون میں وسائل کی شناخت ہے جس کے ذریعہ مرد اساس معاشرہ میں تصورات کا افتراقی یا ترجیحاتی نظام منعکس ہوتا ہے۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ فیمینزم دنیا کے مختلف ممالک میں ان کے معاشرے، مزاج اور ضروریات کے مطابق شکل اختیار کرتا ہے جس میں خود عورتوں کی اپنی تعلیم، شعور، کلاس اور ماحول کا دخل ہوتا ہے۔ عورتیں اپنی جدوجہد کے دوران پدر شاہی یا مرد اساس نظام کو سمجھنے اس سے نجات حاصل کرنے اور ایک غیر استحصالی معاشرہ

قائم کرنے کے مراحل سے گزرتی ہیں اور یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ طبقہ نسواں نے زندگی کے شعبہ کی طرح ادب کے بھی تقریباً ہر شعبہ میں تجربے کرنے شروع کردیے ہیں اور تانیثیتی ناقدین نے طے کیا ہے کہ وہ صرف عورتوں کی تخلیقات، نسوانی ادیبوں، ان کے ادبی کیف و کم، ان کی تخلیقی صورتوں اور ان کے لب و لہجے و محاورات نیز گلا سری ہی کی مدد سے نسوانی تنقید کی ایک نئی دنیا بنائیں گی۔ یہی نہیں بلکہ ایسے کلچرل موومنٹ یا سب کلچر(sub-culture) کی بنیاد رکھی جائے گی جس میں نسوانی روایات، تانیثیتی ادبی طریقہ کار اور صرف تانیثیتی ادب پر بحث و تمحیص ہوگی تاکہ طبقہ نسواں میں اپنی ادبی اور ثقافتی خود آگہی کا شعور پیدا ہوسکے۔

قاضی افضال حسین کے مطابق:

> "ادب کا تانیثیتی مطالعہ احتجاج یا عوامی نعرے قلق کرنے کے بجائے تحلیل و تجزیہ کا فن ہے جہاں تانیثیت کی سماجی تحریکات پدری نظام کے بنیادی تصورات کو رد کرتی اور ایک نئے معاشرتی / معاشی مادی توازن کی تشکیل کے لیے کوشاں ہیں۔"[۳]

اردو ادب میں ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہی عورتوں کی سماجی حیثیت اور ان کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ افسانوی ادب میں تو اسے خاص طور پر مرکزی حیثیت رہی۔ یوں تو مرد لکھاریوں نے بھی عورت کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے بلکہ ایسا کہنا بہتر ہوگا کہ ابتداء مرد لکھاریوں نے ہی کی جن میں ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رسوا اور اس کے بعد راشد الخیری، پریم چند اور راجندر سنگھ بیدی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

مولوی نذیراحمد کی عورت کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری تک محدود ہے۔ راشد الخیری کے ہاں کی عورت مظلوم ہے اور ظلم کی چکی میں پستی ہوئی عورت کی ترجمانی ان کے افسانوں میں بخوبی کی گئی ہے۔ مگر عورت کے حوالے سے تمام مسائل مرد تخلیق کاروں کے بیان کردہ تھے جنہیں خواتین کے حقوق کی ترجمانی لیے پیش کیا گیا۔ خود عورت نے اپنے مسائل کی ترجمانی نہیں کی۔ رشیدۃ النساء بیگم کے ناول "اصلاح النساء" سے عورتوں کے جذبات و احساسات اور مسائل کے بیان کا آغاز عورت کے قلم سے ہوا۔ اس کے بعد محمدی بیگم اور اکبری بیگم کی تخلیقات تانیثیتی تاثر کے ساتھ منظر عام پر آئیں۔ اکبری بیگم نے "عفت نسواں"، "شعلہ پنہاں" اور "گودڑ کا لال" لکھ کر خواتین کے حقوق و مسائل کی بخوبی ترجمانی کی۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جو خواتین تانیثیت کی علمبردار بن کر ابھریں ان میں ڈاکٹر رشید جہاں کا نام سرفہرست ہے۔ "انگارے" میں ان کی کہانیوں نے جہاں سماج اور ادب میں تہلکہ مچایا وہیں ان کے دوسرے افسانوی مجموعے بھی عورتوں کے مسائل کے بیان اور عورت کے حوالے سے سماج کے رویوں پر کاری ضرب ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر رشید جہاں کے رجحانات کی نمائندگی عصمت چغتائی کے ہاں بھرپور اور بے باک انداز میں ملتی ہے۔ عصمت چغتائی نے مردانہ سماج میں جرأت مندانہ اور بے باک رویہ اختیار کیا اور مرد کی اجارہ داری کے خلاف آواز بلند کی۔ گھر کی چار دیواری میں قید ازدواجی حق سے محرومی، متوسط اور نچلے طبقے کی عورت کے بدترین استحصال

کے بیان کے ساتھ ساتھ عورت کے جنسی، جذباتی اور نفسیاتی مسائل پر کھل کر لکھا۔اسی روشنی کو قائم رکھتے ہوئے واجدہ تبسم نے اپنی کہانیوں میں عورت کے استحصال کو بیان کیا۔

ڈاکٹر عصمت جمیل اسی حوالے سے لکھتی ہیں:

"یہ عورت جو واجدہ تبسم کے افسانوں میں پیش ہوئی۔اس کی کوئی ذاتی یا خاندانی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک غلام عورت ہے۔ اس سے جسمانی خدمات لی جاتی ہیں۔ جنسی خدمات لی جاتی ہیں۔ اس کے بچوں کو زندگی سے محروم کرکے اپنے بچوں کو اس سے دودھ پلایا جاتا ہے۔ غرض یہاں استحصال کی ایسی عورتیں نظر آتی ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔"(۴)

علاوہ ازیں جیلانی بانو نے بھی اپنی کہانیوں میں اقدار و روایات کی چکی میں پستی آزادی کی خواہاں عورت کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں کئی اہم نام اردو کے افسانوی ادب کا حصہ ہیں۔ان میں قرۃ العین حیدر، بانو قدسیہ، ممتاز شیریں، جمیلہ ہاشمی، الطاف فاطمہ، فرخندہ لودھی، رضیہ فصیح احمد، زاہدہ حنا اور نیلم احمد بشیر وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ان تخلیق کار خواتین کے ہاں "عورت" ایک اہم اور مرکزی موضوع ہے۔ تانا بانا جوڑا جائے تو یہ سلسلہ بہت طویل ہے اور اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ لینے پر بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ تانیثیت کا پہلو ہر جگہ اہم موضوع کی صورت ابھر کر سامنے آیا ہے۔

بالخصوص خواتین نثر نگاروں کے ہاں اس موضوع پر بڑے وسیع اور مضبوط پیرائے میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ عورت کے مسائل اس کے احساسات و جذبات کا بیان کرتے ہوئے اس کی انسانی اور صنفی دونوں حیثیتوں کو پیشِ نظر رکھا اور اہمیت دی۔ویسے بھی مذہبی اساطیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہماری اس دنیا کی کہانی کا آغاز ہی عورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور عورت ہی دنیا کی اس کہانی کا سب سے جاندار اور فعال کردار ہے اور "حوا" کا لغوی مطلب ہی "جاندار" ، فعال اور مستحکم ہیں تو اس دنیا کے کسی معاشرے یا سماج کے کسی بھی شعبے کو عورت سے جُدا کرکے دیکھا ہی نہیں جاسکتا اور نہ بیان کیا جاسکتا ہے تو ادب جس کی جڑیں معاشرے اور سماج میں ہوتی ہیں وہاں عورت کو کس بنا پر ایک مفعول، کمتر غیر ضروری، یا "دوسرا" سمجھا جاسکتا ہے۔

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ پاکستانی معاشرہ اور سماج میں عورتوں کی جدوجہد ابھی تک بڑے ابتدائی مراحل میں ہیں یہاں تو فیمینزم زندگی کے بنیادی حقوق مثلاً زندہ رہنے کا حق، تعلیم کا حق، آمد و رفت پر پابندی نہ ہونے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، پسند کی شادی اور بحیثیت انسان معاشرے میں پہچانے جانے کا حق مانگ رہا ہے۔ عورت تعلیم، صحت، ملازمت اور دیگر سماجی حقوق کے حوالے سے مردوں کے مقابلے میں کہیں کم حیثیت میں زندگی گزار رہی ہے۔ اپنی زندگی کے فیصلوں پر عورت کو کوئی اختیار نہیں۔ غیر انسانی اور غیر اسلامی رسموں اور قوانین کا بدترین شکار عورت دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور ہمارے ملک

کے مختلف خطوں میں یہ افسوسناک صورت حال حقوقِ نسواں کے نظریہ پر ایک سوالیہ نشان ہے۔ملک کے مختلف خطوں میں رائج ان ظالمانہ رسوم و قوانین کو تخلیق کاروں نے اپنی تخلیقات میں بھرپور مذمت اور احتجاج کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ ادب کے ذریعہ ہی کسی بھی معاشرے کی حقیقی تہذیب، اقدار، رسوم و رواج، رہن سہن، نظریات اور رجحانات سے متعارف ہوا جاسکتا ہے۔

خطہ ملتان اپنی قدامت اور جغرافیائی اعتبار سے اہم ہونے کے علاوہ علمی، ادبی اور تخلیقی سرگرمیوں کے حوالے سے ہمیشہ ایک بڑا مرکز رہا ہے۔اس خطہ میں ادبی یا افسانوی نثر کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں ہوا۔ ملتان کے پہلے اردو ناول نگار لالہ دولت رائے کا ناول ''روئی کیوں ہو'' ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔یوں ملتان میں افسانوی نثر کی ابتداء ناول سے ہوتی ہے۔ناول ''روتی کیوں ہو'' کا موضوع ہندو معاشرہ میں نوجوان لڑکیوں کی بوڑھے دولت مندوں سے شادی، جوانی میں بیوگی، بیوہ کا دوبارہ شادی نہ کرسکنا اور نتیجتاً جنسی بے راہ روی کا شکار ہونا ہے۔ملتان میں قیامِ پاکستان سے قبل تخلیق ہونے والے ناول افسانوی نثر میں اہمیت کے حامل ہیں۔دورِ جدید میں اس خطہ میں مختلف رجحانات کے کئی ناول تحریر ہوئے۔

ملتان کی نمائندہ خواتین لکھاریوں کے ہاں بھی خواتین کے مسائل کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔صنفِ نازک کے جذبات و احساسات کا بیان بھی ان خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں بہت خوبصورت سے اور چابکدستی سے کیا گیا ہے جس میں فکر کی گہرائی بھی ہے اور نفسیاتی بصیرت کی کار فرمائی بھی ان خواتین لکھاریوں میں ثمر بانو ہاشمی، راحت وفا، شگفتہ بھٹی، صباحت مشتاق، ڈاکٹر غزالہ خاکوانی، صائمہ نورین بخاری اور شہناز نقوی کے نمایاں ہیں۔ملتان ادبی اور تہذیبی خطے کا حصہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے خطے میں جاگیردارانہ نظام اور فرسودہ روایات کی جڑیں بھی کافی گہری ہیں اور ان روایات کی بھینٹ چڑھنے والا طبقہ زیادہ تر خواتین پر مشتمل ہے۔اس بناء پر ملتان میں تخلیق ہونے والی افسانوی نثر بالخصوص وہ افسانوی نثر جو خواتین لکھاریوں کی طرف سے ضابطہ تحریر میں لائی گئی اس میں خواتین کے مسائل کا بیان کافی مضبوط پیرائے میں ملتا ہے۔

ثمر بانو ہاشمی کے افسانے اور ناول دونوں ہی تانیثیتی تاثر لیے ہوئے ہیں۔ثمر بانو ہاشمی کا ناول ''دل کی وہی تنہائی'' عورت کی زندگی میں آنے والے اتار چڑھاؤ اور عورت کا عورت ہونا ہی اس کے لیے کیسے کیسے مسائل کھڑے کرتا ہے کا خوبصورت بیانیہ ہے۔

''اب میں صرف ایک ایسی بدنصیب اور بے سہارا لڑکی ہوں جس کی طرف کوئی مخلصانہ ہاتھ نہیں بڑھاتا۔کہنے کو ہر کوئی ہمدرد نظر آتا ہے لیکن سب حریف اور لالچی۔میرے پاس دولت کی ریل پیل نہیں جو کسی کو متاثر کرسکے۔یہاں اس کی عزت ہے جس کے پاس دولت ہے۔''(دل کی تنہائی، ص۱۵۲)

ثمر بانو ہاشمی کے افسانے اور ناول اسی معاشرے میں موجود عورت کے کئی روپ اور پھر اس ہر روپ میں کہیں نہ کہیں ہوتے استحصال کو سامنے لاتے ہیں۔ثمر بانو بھی جذبات کے ساتھ سوچ کے مدراج طے کرتی عورت

کو اپنی کہانیوں میں پیش کرنا چاہتی ہیں۔ان کی کہانیوں میں عورت کا کردار معاشرتی استحصال کا شکار اور رشتوں کے بیچ بٹتا دکھائی دیتا ہے۔مگر ان کی کہانیوں میں موجود عورت ردعمل کی صلاحیت رکھتی ہے۔ان کے افسانے ”یادوں کے گھاؤ“ میں رقیہ کا اپنی مرضی سے شادی کرنا اور پھر اپنے گھر والوں کے سامنے اس شادی کو قبول کرنا اور انہیں صاف الفاظ میں داماد کو قبول کرنے کا کہنا ردعمل کو ظاہر کرتا ہے۔اس کا یہ رِدِعمل گھر والوں کے اس رویے کے خلاف ہے جس میں وہ اسے روایات میں جکڑ دینا چاہتے ہیں۔ افسانے ”پجارن“ میں عورت کا کردار ردعمل کی صلاحیت رکھتا ہے۔علاوہ ازیں ان کے ناول ”دل کی وہی تنہائی“ کا مرکزی کردار کہانی میں کئی نشیب و فراز دیکھنے، مصائب و آلام سے گزرنے کے باوجود آخر میں شادی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔بلاشبہ اس میں قربانی کا جذبہ کارفرما ہے مگر فیصلہ بالآخر وہ کود ہی کرتی ہے۔عورت کے اندر ابھرتی مرد کے استحصال کے خلاف بغاوت اور اپنے ہونے کے شعور کو وہ اپنے افسانے کے کردار ”روحی آپی“ کی زبان سے کچھ یوں ادا کرواتی ہیں۔

”میں مردوں کی بالادستی کی داستانیں سن کر تنگ آگئی ہوں آخر مجھ میں کیا کمی ہے جسے پورا کرنے کے لیے شادی کروں۔“(ص۱۵۴)

ثمر بانو ہاشمی کو جہاں عورت کا استحصال ہوتا دکھائی دیتا ہے وہ اس پر قلم ضرور اٹھاتی ہیں۔بقول ڈاکٹر روبینہ ترین:

> ”کہیں عورت کا استحصال ہوتا دکھائی دیتا ہے تو اس کے خلاف آواز بھی اٹھاتی ہیں۔یہی ان کی انفرادیت ہے کہ لطیف انداز اور قدرتی معصومیت ان کے ہاں برقرار رہتی ہیں۔“(۵)

ملتان کی خواتین، نثر نگاروں میں ایک اور اہم نام راحت وفا کا ہے۔راحت گہرے سماجی شعور اور نفسیاتی بصیرت کی حامل افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔

ان کی افسانوی دنیا میں ہر طبقے کے کردار پائے جاتے ہیں۔اپنی عادات و خصائل، افعال و حرکات کی بناء پر اپنے طبقے کی عمدہ نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔اعلیٰ طبقے کے لوگوں کا کھوکھلا پن، متوسط طبقے کا اضطراب اور نچلے طبقے کا کرب اور محرومیاں ان کی کہانیوں میں بھرپور طریقے سے تمام تر حقائق سمیت موجود ہوتی ہیں۔
مگر ان کی کہانیوں میں تانیثیتی عنصر بڑی واضح صورت میں موجود ہے۔ان کے بنیادی موضوعات میں خواتین کے مسائل و حقوق سرفہرست ہیں۔

زندگی کے بہت سے تضادات ان کے افسانوں کے ذریعے کھل کر سامنے آتے ہیں۔عورت کو انا کی بھینٹ یا وفا کی بھینٹ کیسے چڑھایا جاتا ہے۔ان کے افسانوں کا بنیادی موضوع ہے۔ان کی کہانیوں میں عورت اپنے تمام تر مسائل و استحصال کے موجود ہے۔چاہیے وہ خواتین کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں۔راحت وفا اپنے

افسانے ”عیب“ کی کہانی میں خواتین کے مسائل کی ترجمانی کچھ یوں کرتی ہیں کہ ایک لڑکی معاشرے کے لیے صرف اس لیے قابل قبول نہیں کہ وہ نظر کی عینک کا استعمال کرتی ہے اور خاص کر رشتہ ہونے کی صورت میں جہاں رشتہ دیکھنے آنے والے اسے اس معمولی بات کے لیے ناپسند کرکے چلے جاتے ہیں۔راحت کی افسانوی دنیا میں عورت جس دکھ اور کرب میں مبتلا ہے وہ اس کے وجود کی عدم تکمیل کا دکھ ہے۔مردوں کے معاشرے میں اپنی ذات کو نہ منواپانا دکھ کا باعث ہے۔آج کی عورت معاشی ذمہ داریوں کی تقسیم میں مرد کے شانہ بشانہ شریک ہے۔ وہ پیٹ کی دوزخ کو پالنے کے لیے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھتی ہے۔لیکن آج کا مرد ابھی تک عورت کو حریصانہ نظر سے ہی دیکھتا ہے اور زبردستی کرتا ہے۔خواہ عورت مرد کے اس رویے سے دلبرداشتہ کیوں نہ ہوجائے۔

راحت کا قلم عورت پر ہونے والے ظلم و جبر کی ترجمانی بڑے مضبوط الفاظ میں کرتا ہے۔اپنے افسانے مور کے پاؤں میں لکھتی ہیں۔

”بہت جبان چلانے لگی ہے، تیرا باپ بھی کام پر جاوے گا، یہ قرجا اتارنا ہے، کون اتارے گا؟ رانجھن ڈنڈے برساتا ہوا زور زور سے بول بھی رہا تھا۔جب اس کا تشدد حد سے بڑھ گیا تو ساجن کو اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کو روکنا پڑا۔“(مور کے پاؤں، ص۱۴۴)

> شمع زیدی کے مطابق ”راحت کے افسانوں میں مرد کی بے رحمی کا شکار ہونے والی خاتون کا حال بڑی خوبصورتی سے بیان ہوا ہے۔ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے اور اس کے قوانین بھی ظاہر ہے مردوں نے ہی وضع کیے ہیں۔وہ عورت کی معصومیت اور وفاداری کو کھلونا سمجھتے ہیں۔اپنے حرص و ہوس اور مفاد کی آڑ میں اس کی ہستی کو زمانے کی نظروں میں معیوب بھی قرار دیتے ہیں۔مرد کی بے رحمی کا شکار ہونے والی عورت کا احوال راحت کے افسانوں کی پہچان ہے۔“[۶]

شگفتہ بھٹی کے اپنی تخلیقات میں جہاں ایک ایسے خاندانی نظام کو پیش کرتی ہیں جو مضبوط رشتوں میں بندھا ہوا ہے جن میں محبت کی پاکیزگی بھی ہے اور سلجھے ہوئے، اعلیٰ کرداری خصوصیات کے حامل کردار بھی ہیں، وہیں ان کے ناول اور افسانوں میں خواتین کے مسائل بالخصوص گھریلو خواتین کے مسائل بھی نمایاں، اہم اور خاص موضوع لیے ہوئے ہیں۔چونکہ شگفتہ بھٹی کے ڈرامے مختلف ٹی وی چینلز سے شائع ہوچکے ہیں۔مثلاً ڈرامہ ”کیوپڈ“ اے آر وائی چینل اور وفا ناآشنا PTV پاکستان چینل سے۔لہٰذا ان کی تحریروں میں شوبز کی دنیا میں ہونے والے رنگین دھوکے اور اس دلدل میں پھنس کر پل پل سسکتی لڑکیوں کی کہانی کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

شگفتہ بھٹی کا ناول ”آڑ کے مول نہ جاویں“ میں ایک گیتی اور اس کی سہیلی طوبیٰ کے ذریعہ ایسی لڑکیوں کی کہانی کا بیان کیا گیا ہے جو اپنی غربت کے ہاتھوں تنگ آکر ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ماڈل گرلز کی حیثیت سے

کام کرتی ہیں اور پھر شوبز کی غلاظت بھری دنیا کی دلدل میں دھنستی چلی جاتی ہیں اور بالآخر ہوس کے پجاری جنسی درندوں کا شکار بن جاتی ہے اور انجام کار ایک بربادی اور ذلت بھری زندگی ہی ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

صباحت مشتاق کی کہانیوں میں موجود خواتین اپنے حقوق سے باخبر دکھائی دیتی ہیں اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھاتے نسوانی کردار جابجا ان کی کہانیوں میں موجود ہیں۔صباحت خواتین کو بااختیار اور باشعور دیکھنا چاہتی ہیں۔اسی بناء پر ان کے افسانوں میں عورت کا کردار پر اعتماد اور خودشناس دکھائی دیتا ہے۔افسانوں میں موجود خواتین نہ صرف اپنے اردگرد کے ماحول سے باخبر دکھائی دیتی ہیں بلکہ اپنی سوچ کا اظہار کرتی ہیں۔وقت تقدیر سماج اور مذہبی وغیرمذہبی اقدار نے عورت کو جو خاموشی و بے بسی بخشی ہے اس کی بدولت عورت کاکردار اکثر و بیشتر افسانوں میں مظلومیت کا شکار دکھائی دیتا ہے۔مگر صباحت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والی خواتین کو متعارف کرایا۔ان کے ہاں عورت اپنی شناخت کی خواہاں ہے۔انہوں نے عورت کو سماج کے ساتھ ٹکر لیتے اور اپنی آواز بلند کرتے دکھایا ہے۔"ماریا"، "آسیب"، "دونمبر" اور "اکائی" میں خواتین اپنے احساسات اور حقوق کی جنگ لڑتی ہیں۔ صباحت مشتاق کی تحریریں خواتین کے مسائل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عورت کی ذہنی، جذباتی و سماجی آزادی کی خواہاں ہیں۔

صباحت مشتاق کی کہانیوں پر ڈاکٹر روبینہ ترین کچھ یوں اظہارِ خیال کرتی ہیں:

"صباحت مشتاق کے پاس اپنے عصری مسائل کے مشاہدے کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ خاص طور پر آج کی خاتون کو درپیش مسائل پر وہ بڑی گہری نظر رکھتی ہیں اور اپنی کہانیوں میں بھی ایسے ہی موضوع کو اپناتی ہیں۔"(۷)

ملتان کی خواتین نثر نگاروں میں ڈاکٹر غزالہ خاکوانی کے افسانے بھی تانیثی تاثر کو اجاگر کرتے ہیں۔غزالہ خاکوانی کے افسانوں میں خواتین کے مسائل، استحصال اور جنسی استحصال پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

ان کے افسانوں میں درمیانے طبقے کی خواتین کے مسائل اور باشعور اور غور و فکر کرنے والی عورت ہے۔جو عدم تحفظ، نفرت اور تشکیک کا شکار ہو کر اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے۔اپنی پہچان اور شناخت کی تلاش کے روح فرسا عمل نے اس کے دل و دماغ کو کرب میں مبتلا کر دکھایا ہے۔

اپنے افسانہ "آشوب تنہائی" کے آخر میں بھی یہ عورت اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق مانگ رہی ہے۔وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے پر اصرار کرتی ہے:

"مجھے اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنے دو۔اپنی فتح کی طرح اپنی شکست بھی شاید مجھے مطمئن کرسکے گی کیونکہ وہ میرا اپنا فیصلہ ہوگا۔تمہاری دی ہوئی شکست مجھے تمام عمر خون کے آنسو رلائے گی اور۔۔۔۔۔تمام عمر۔۔۔۔۔یہ کسک الگ رہے گی کہ یہ میری اپنی شکست نہ تھی۔تمہارے فیصلے کی وجہ سے میری شکست ہوئی ورنہ یوں میں شکست نہ کھاتی۔"(افسانوی مجموعہ "در تو کھولے"، ص۴۸)

غزالہ خاکوانی کے افسانوں کی عورت کو اپنی فہم، بصیرت اور قوت فیصلہ پر مکمل بھروسہ ہے اور نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنی زندگی یا ذات کے حوالے سے کسی کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینے کو تیار نہیں۔

اس کے ساتھ ہی غزالہ خاکوانی کے افسانوں کی پڑھی لکھی، انٹلکچول اور باشعور عورت کو اس تلخ حقیقت کا بھی مکمل ادراک ہے کہ عورت کسی بھی حیثیت یا کسی بھی صلاحیت یا خوبی کی حامل ہے۔معاشرہ اس عورت کی ذات و صفات ماننے کو تیار نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا حق یا مقام اس کو دینے پر تیار ہے اور عورت کو کمزور بنانے کو پیش کرنے والا مرد درحقیقت خود اندر سے کمزور اور بزدل ہوتا ہے۔افسانہ ''نامعتبر رفاقتیں'' کی ''سحر'' اس المیہ کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء سے کہتی ہے:

''میں نے سمجھا تھا کہ تم دنیا کے سب سے مضبوط اور طاقتور مرد ہو تم سے ہی مجھے اخلاقی پناہ مل سکے گی۔کیونکہ عورت تو اس معاشرہ میں بہت کمزور ہے۔وہ کتنی بڑی سکالر بن جائے۔انٹیلکچول کہلائے، کتنے بڑے عہدے پر پہنچ جائے۔اسے ہر دور میں کسی نہ کسی مرد کی پناہ چاہیے ہوتی ہے۔چاہے وہ بھائی ہو یا باپ ہو، دوست ہو، خاوند ہو یا سرپرست ہو۔''(افسانوی مجموعہ ''در تو کھولے''، ص۱۴۸)

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی وہ خود کو زمانہ قدیم کی طرح بے بس، مجبور، اجنبی اور کھلونا تصور کیے جانے پر رنجیدہ ہے۔غزالہ خاکوانی کے ہاں خواتین کے تشخص کو پامال کیے جانے کا بیانیہ ہے۔انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں عورت کے جنسی استحصال کو بیان کیا ہے۔غزالہ خاکوانی کے افسانے ''فیوڈل کوریئر سروس''، ''المیہ'' اور ''Malpractice'' جیسے افسانے خواتین کے ساتھ جنسی استحصال کا المیہ بیان کرتے ہیں۔اپنے افسانے المیہ میں لکھتی ہیں:

''ڈی سی نے کام کا وعدہ تو کیا ہے مگر اس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہیں۱۷-۱۸ لاکھ کا فائدہ پہنچاؤں گا۔ اس کے بدلے تم بھی مجھے کچھ دو بلاوجہ میں تمہارا کام کیوں کرو۔''(افسانوی مجموعہ ''در تو کھولے''، ص۹۷)

غزالہ خاکوانی نے اپنے افسانے ''کانچ کی گڑیا'' میں اپنی ذاتی زندگی کی کہانی پیش کی اور پوری کہانی ہمارے سماج کے اس تلخ رویے کا احاطہ کرتی ہے جس میں ایک لڑکی جب اپنے معاشرتی، معاشی اور سماجی حقوق کے لیے کھڑی ہوتی تو جگہ جگہ یہ مردانہ برتری کا خواہاں سماج اس کی خواہشات کو کچل کر اس کی شخصیت کو مسخ کردینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔غزالہ خاکوانی نے اپنے افسانوں اور ڈراموں میں عورت کو درپیش مسائل اور استحصال کی داستان رقم کی ہے۔

مرزا ادیب نے بھی غزالہ خاکوانی کی کہانیوں میں عورت کے حقوق کے لیے بلند ہوتی آواز کو محسوس کیا ہے۔لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر غزالہ خاکوانی کو ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے موجودہ معاشرے کے رنگا رنگ کرداروں سے واسطہ پڑا ہے جن میں خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ خواتین کے دکھوں سکھوں اور مسائل سے بہت حد تک واقف ہیں۔"(۸)

تانیثیتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خواتین نثر نگاروں کے ہاں خواتین کے مسائل کا بیان بنیادی موضوع رہا ہے۔شاید اس لیے بھی کہ عورت معاشرے کی بنیاد ہے۔عورت معاشرہ گر ہے۔دنیا کا ہر معاشرہ عورت ہی سے تکمیل پاتا ہے۔اس فرق کے ساتھ کہ اسلامی معاشرے میں عورت کو جو حقوق بخش دیئے گئے ہیں۔کوئی مادر پدر آزاد معاشرہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔مگر افسوس ناک امر یہ ہے کہ ایسے ہی معاشرے میں بعض استحصالی طبقوں نے اس کی زبان داغ دی اور اس کی اپنی اوڑھنی سے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔صائمہ نورین بخاری کے افسانوں میں عورت کے معاشرے کا استحصالی رویہ بنیادی موضوع ہے۔صائمہ کے افسانوں میں عورت کی چیخ بھی سنائی دیتی ہے اور اس کے خوابوں کی عکاسی بھی بھرپور انداز میں ہے۔"(۹)

صائمہ نورین بخاری نے جاگیردارانہ سماج میں ذہنی و جسمانی غلامی کی زنجیروں میں بندھی عورت کی اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔"من کا سودا" میں صائمہ معاشرے کی اس تلخ حقیقت کو ہمارے سامنے لاتی ہیں۔جہاں مرد اپنے لیے ہر آزادی کو جائز تصور کرتا ہے اور عورت پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتا ہے۔یہاں تک کہ عورت سے جینے کی آزادی بھی چھین لینا چاہتا ہے۔

"تیزاب سے پگھلا دو گے۔۔۔یا زمین کی خاطر کالی قرار دے کر بدنامی کی موت دے دو گے یا بدچلن کا الزام لگا کر زندان میں چنوا دو گے کیونکہ آرڈیننس تمہارے۔۔۔ قانون تمہارا۔۔۔ گواہی تمہاری۔۔۔ حکومت تمہاری۔۔۔۔ریاست بھی تمہاری۔۔۔معاشرہ تمہارا۔۔۔عقوبت خانے بھی تمہارے۔۔۔۔سزائیں بھی تمہاری۔۔۔تو کرو۔۔۔صاحب اختیار! سب کچھ کرو۔۔۔"(منظر خواب دریچے میں، ص۹۳)

صائمہ نورین عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر رنجیدہ دکھائی دیتی ہیں۔اسی بناء پر ان کا قلم "غیرت مند"، "کٹی پتنگ"، "ندائے سحر" جیسی کہانیاں تخلیق کرتا ہے۔جہاں عورت معاشرے کی بے رحمی اور منافقانہ رویے کی نظر ہوجاتی ہے۔صائمہ نورین عورت کی آزادی کی خواہاں ہیں۔وہ عورت کے جذبات کی ترجمانی بخوبی کرتی ہیں۔وہ عورت کے اس حق کو تسلیم کروانا چاہتی ہیں کہ عورت پسند کی شادی کرنا چاہے تو یہ کوئی جرم نہیں۔مگر جس طرح ہمارا یہ نام نہاد معاشرہ اس حق کو گالی بنا دیتا ہے۔اسی ظلم کا بیان صائمہ نے اپنے افسانے "کٹی پتنگ" میں کیا ہے یہاں ہمارے سامنے معاشرے کا مکروہ چہرہ دکھائی دیتا ہے۔جو عورت کو کمزور تصور کرکے اپنی تمام تر کمزوریاں اور ناکامیاں عورت کی قسمت میں لکھ دینا چاہتا ہے۔

شہناز نقوی کے افسانوں کا موضوع معاشرتی مسائل اور انسانی رویے ہیں مگر اسی معاشرت کی چکی میں پستی ہوئی عورت ان کی کہانیوں میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔شہناز نقوی بھی عورت کی آزادی و خودمختاری کی خواہاں

ہیں۔ان کا قلم بھی عورت کے حقوق کی ہی ترجمانی کرتا ہے۔ان کے افسانے "کیسی دیوانگی"، "کس کے لیے" اور "مس کال" خواتین سے جڑے مسائل اور ان کی شخصی آزادی کو اجاگر کرتی کہانیاں ہیں۔

بحیثیت عورت شہناز نقوی عورت کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہیں۔وہ اپنی کہانی میں عورت کے حوالے سے نوعمری کے تجربات سے لیکر زندگی کے مختلف ادوار میں جن تجربات اور مشاہدات سے سابقہ پڑتا ہے انہیں بہت مہارت سے کسی نا کسی کردار کے ذریعہ بیان کرتی چلی جاتی ہیں۔شنہاز نقوی خود بھی ان کہانیوں کے ذریعہ اپنا نقطہ نظر اور مخصوص طرزِ فکر کا بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "یہ کہانیاں میں نے اپنی عمر کے مختلف وقتوں میں تحریر کی ہیں، Male اور Female دونوں اسی دنیا کی مخلوق ہیں۔مگر ان کی ترجیحات مختلف ہیں۔اس لیے میں نے ایک Female ہونے کے ناطے زندگی کا جس نقطہ نظر سے مشاہدہ کیا اور جن تلخ حقائق کو دیکھا ان کو Asitis اپنے قلم سے قرطاس پر کہیں کہکشاں میں کھو کر نہیں کسی آسیب زدہ ماحول کے سایے میں ان کہانیوں کو نقش کرلیا اور ان نقوش کو جوڑ کر ایک تصویر بنانے اور ان میں رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔"(۱۰)

ہمارے معاشرے میں بات بے بات پیدا ہونے والی غیرت اور شک دو ایسے ہولناک رویے ہیں جن کی سولی عورت کو چڑھا کر اس کی زندگی کو بے معنی کردیا جاتا ہے۔شک کی وجہ سے خوبصورت رشتوں کے چہرے مسخ ہوجاتے ہیں۔شک کے آئینے میں سب دھندلا ہی دکھائی دیتا ہے۔مگر شک کا آئینہ کبھی نہیں ٹوٹتا بلکہ یہ واحد آئینہ ہے جو دوسرے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔اسی رویے کی ترجمانی شہناز نقوی اپنے افسانے "کس کے لیے میں" کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"آزاد خیال راتوں کو دیر سے آنے والا یاسر اس کے لیے ایک سوالیہ نشان بن گیا۔گزشتہ دو ماہ سے اس کا ایک ہی سوال تھا ریبط سے، بتاؤ وہ اشعار کس کی یاد میں لکھے تھے۔"(کس کے لیے، ص۳۹)

ملتان کی خواتین نثر نگاروں کا امتیاز اور اہمیت بلاشبہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے افسانے ناول اور ڈراموں کے ذریعے ایک مخصوص جاگیردارانہ سماج اور معاشرت میں عورت کے استحصال کو بیان کیا ہے۔ان کی تحریروں میں خواتین کے حقوق کی آواز بلند ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک چیخ کی صورت اختیار کرجاتی ہے۔ان کے ہاں جاہلانہ روایات کی زنجیروں سے بندھی خواتین کا تذکرہ ہے تو وہیں تعلیم کے حق سے محروم کردی جانے والی خواتین کی بے بسی بھی موجود ہے۔ان کی کہانیاں خواتین کے استحصال کا نوحہ ہیں۔ان کہانیوں میں عورت کا دوپٹہ، شک، غیرت اور ہوس سے تارتار ہے اور اس کا دل محرومی، بے بسی، ادھورے پن اور خود کو شاید انسان ہی تصور نہ کیے جانے پر رنجیدہ ہے اور اسی استحصال و کرب کے خلاف ملتان کی خواتین نثر نگاروں نے اپنی کہانیوں میں بازورِ قلم آواز بلند کی ہے جو شاید اہل فہم و دل تک پہنچے۔

حوالہ جات

۱۔Haideh Mognissi, "Feminism Islamic Fundamentalism: The Limit of Postmodern Analysis", University Press, Oxford, 1999, P-32

۲۔ انیس ہارون، ''فیمینزم اور پاکستانی زیورات''، مشمولہ فیمینزم اور ہم۔ادب کی گواہی، ادارت فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، جون، ۲۰۰۵ء، ص۱۲

۳۔ متن کی تانیثیتی قرأت از قاضی افضال حسین مشمولہ ''آدھی عورت پوری عورت(تاریخ۔ مسائل۔ اطلاقی جہات۔ امکانات)''، مرتبین، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، ڈاکٹر حمادرسول، شازیہ یاسمین، شکیل حسین سید، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء

۴۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، ''اردو افسانہ عورت''، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان،۲۰۰۱ء، بار اول، ص۲۲۶

۵۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیاتِ ملتان''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص۳۱۸

۶۔ شمع زیدی، ''مور کے پاؤں''، زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص۱۶

۷۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، ''تاریخ ادبیاتِ ملتان''، ص۳۴۲۔۳۲۱

۸۔ مرزا ادیب، ''در تو کھولیے''، جاذب پبلشرز، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص۲۰۱

۹۔ تابندہ عنبرین، ''ملتان کی نمائندہ خواتین کی افسانوی نثر''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۱۶ء

۱۰۔ شہناز نقوی، ''بیتے سمے''، صنوبر پبلی کیشنز، ملتان، جنوری ۲۰۰۹ء، ص۸